تحقیق وتنقید

کیا رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ ادا کی؟

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

فقر و فاقۂ نبوی اور غربت و افلاسِ اہل بیت اطہار کے مشہور و مسلمہ عقیدہ و فکر کے پس منظر میں یہ سوال ہی اٹھانا عجیب وغریب لگتا ہے کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ ادا کی ہے؟ آپ کی ذاتی غربت اور خاندانی مفلوکیت کی روایات سیرت و حدیث کے گراں قدر ذخیرہ میں اتنی غالب ہیں کہ خوش حالی کا تصور گراں گزرتا ہے۔ 'الفقر فخری' جیسی مشہور احادیث اور فقر و فاقہ کی فکر اسلامی کی روایات و آثار کے علمی و دینی غلبہ کے تناظر میں رسول اللہ ﷺ پر زکوٰۃ کی فرضیت کا خیال بھی خام معلوم ہوتا ہے۔ علمائِ اسلام و فقہائِ کرام نے اور ان سے زیادہ محدثین و شارحینِ حدیث اور سیرت نگار و مورخین اسلام نے اس سوال و خیال کو درخور اعتنا نہیں سمجھا، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ان کی غالب اکثریت کے حاشیۂ خیال ہی میں نہیں آیا۔

لیکن جدید اذہان اور معاصر افکار کے حاملین میں سے بعض نے اس کا ادراک کیا۔ وہ محض جدیدیت اور تجدد پسندی کا شاخسانہ نہیں ہے۔ سیرت و سنت اور حدیث و قرآن کے گراں قیمت نکات اور واقعات و حوادث کے تجزیاتی مطالعہ اور فکر و فلسفۂ اسلامی پر گہرے تدبر نے ادراک کو مواد فراہم کیا۔ سیرت نبوی کے ایسے متعدد اہم مسائل و معاملات پر تنقیدی نظر و فکر کی راہ کھولی۔ لہٰذا پہلے سے جمے جمائے افکار و مسلمات پر اَڑنے اور فکر کہن سے چمٹے رہنے کے بجائے اس سوال کا جواب تلاش کرنا چاہیے۔ تحقیقاتِ سیرت نبوی میں اس کے اثبات یا نفی میں جواب ملنے سے حقیقت سامنے آئے گی۔ محض ذہنی مزعومات اور فکری رسوم کی دھند میں اسیر رہنے سے جدید

سوالات کو ٹالا نہیں جاسکتا۔ موجودہ مطالعہ صحیح روایات، معتبر احادیث اور کتاب و سنت سے اسی سوال کا جواب تلاش کرنے کی ایک کوشش ہے، تاکہ اہل علم و فکر اس پر غور مزید کریں۔

رسول اللہ ﷺ کی مالی حیثیت

روایتی سیرت نگاروں نے ہی نہیں، بیش تر محققینِ سیرت نے بھی حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ کو 'اباً عنجدٍ' ممتاز خاندانِ بنو ہاشم کا فرد بتایا ہے تو اسی کے ساتھ آپ کو اور آپ کے خاندان، بالخصوص والد ماجد کو مفلوک الحال، غریب و مفلس اور نادار قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے والد ماجد عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی سے ملنے والے ترکہ کو معمولی سمجھا ہے: ''عبداللہ نے ترکہ میں اونٹ، بکریاں اور ایک لونڈی چھوڑی تھی، جس کا نام ام ایمن تھا۔ یہ سب چیزیں رسول اللہ ﷺ کو ترکہ میں ملیں''۔ مولانا شبلیؒ کے اس بیانِ کی تائید مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے یوں کی ہے: ''انتقال کے وقت عبداللہ نے پانچ اونٹ اور چند بکریاں اور ایک باندی، جن کی کنیت ام ایمن اور نام برکۃ تھا، یہ چیزیں ترکہ میں چھوڑیں۔'' مولانا مودودیؒ نے ''غربت سے زندگی کی ابتدا'' کی معنیٰ خیز سرخی کے تحت غربت و مفلوکیت کا مرقع پیش کیا ہے: ''جناب عبداللہ شادی کے وقت نوجوان ہی تھے اور اپنے کاروبار کی انھوں نے ابتدا ہی کی تھی کہ انتقال ہوگیا۔ اس لیے وہ اپنے یتیم بچے اور اپنی بیوہ کے لیے کوئی بڑی دولت چھوڑ کر نہ جاسکے۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ انھوں نے پانچ اونٹ، بکریوں کا ایک ریوڑ اور ایک لونڈی ترکہ میں چھوڑی تھی۔'' حاشیہ میں یہ اضافہ بھی ہے کہ ''ایک روایت یہ بھی ہے کہ ترکہ میں صرف ایک اونٹ تھا اور ایک لونڈی۔'' مولانا مرحوم نے مزید خاکۂ غربت قرآن سے مستند کیا ہے: ''حیاتِ طیبہ کی اس غریبانہ زندگی کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے: وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى (اور اللہ نے تم کو غریب پایا، پھر غنی کر دیا)۔۔۔۔۔'' رسول اللہ ﷺ کی ذاتی اور خاندانی غربت کے اسی طرح کے بیانات و نتائج خاندانی اور ابتدائی غربت و مفلوکیت کے دوسروں نے بھی دیے ہیں۔ ان میں شامل ہیں: صفی الرحمن مبارک پوری، حکیم محمود احمد ظفر، سید معین الحق اور متعدد دوسرے۔ بعض نے ترکۂ پدری اور مفلوک الحالی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ [۱]

خاندانی ترکہ اور مالی حیثیت کی روایات کا نقد

ان تمام سیرت نگاروں نے اور دوسرے بعض اہل علم اور محدثین کرام نے بھی ایک دو روایات پر کلی انحصار کر لیا ہے اور بعض نے متضاد و متصادم روایات بیان کر کے غربت اور مفلوک الحالی کا تاثر مزید گہرا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جیسے مولانا مودودی نے ترکۂ پدری کی قلیل ترین مقدار کی روایت حاشیہ میں اضافہ کر کے کی ہے۔ ان کے علاوہ دوسری روایاتِ ترکہ بھی ملتی ہیں۔ ان کا حوالہ دیا گیا نہ ذکر کیا گیا کہ وہ راست بیان ترکہ میں ان کو نہیں مل سکا، اگر چہ وہ ان سے قطعی لاعلم نہ تھے۔ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب ہاشمی نے ایک مکان بھی ترکہ میں چھوڑا تھا، جو ان کے والد جناب عبدالمطلب ہاشمی نے ان کو بہ طور تحفہ دیا تھا۔ اس کے علاوہ دوسری روایات و اخبار بھی ہیں اور ان سے زیادہ اہم متعدد شہادات ہیں۔ بلا شبہ رسول اللہ ﷺ صاحبِ مال و منال نہ تھے اور آپ کی شادی کے خطبہ وغیرہ کی روایات کے مطابق قلیل المال ضرور تھے، جیسا کہ بیش تر اردو سیرت نگاروں نے بھی لکھا ہے۔ ان میں حکیم محمود احمد ظفر، دانا پوری، ادریس کاندھلوی، صفی الرحمن مبارکپوری وغیرہ بھی شامل ہیں۔ حکیم محمود احمد ظفر (ص ۱۶۳) نے آپ کے مکانِ رہائش کو ابو طالب اور آپ کی مشترکہ ملکیت بتایا ہے، جو عجیب و غریب ہے۔

سیرت نگاروں نے جناب عبداللہ ہاشمی کے بارے میں چند اہم حقائق نظر انداز کر دیے ہیں:

۱— وہ قریش مکہ کے مالدار ترین شیخ عبدالمطلب ہاشمی کے فرزندِ دلبند ولخت جگر تھے۔

۲— وہ اپنے والد ماجد کی تجارت اور خاص کر شامی تجارت میں شریک و ندیم تھے، نہ کہ صرف اجیر و کارپرداز۔

۳— شامی تجارت بین الاقوامی سطح کی تھی، جس میں شرکت و کاروبار مقامی اور عرب تجارت کی مشق و مزاولت کے بعد کیا جاتا تھا، جیسا کہ سیرت نبوی اور عرب جاہلی

تجارت کی روایات واخبار سے معلوم ہوتا ہے۔

۴– عبداللہ ہاشمی اپنے والد ماجد کی مانند متمول وغنی نہ تھے، مگر اتنے مفلوک الحال بھی نہ تھے۔

۵– وہ ایک خوش حال نوجوان اور ابھرتے ہوئے تاجر تھے اور ایک عظیم ترین ومتمول خانوادے کے فرد بھی۔

حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ اسی خوش حال تاجر وجوانِ قریش کے فرزند و وارث تھے۔ آپ کی زندگی کی ابتدا خوش حالی سے ہوئی تھی، جیسا کہ رضاعت وجوانی کے واقعات بتاتے ہیں۔ جوانی میں تجارت وکاروبار نے اس خوش حالی کو غنا میں بدل دیا تھا۔

دورِ غنائے نبوی

سورہ ضحیٰ، آیت ۸: وَوَجَدَکَ عَائِلاً فَأَغْنٰی سے استدلال و استشہاد کرنے والے علماء کرام اور سیرت نگار ومحدثین عظام نے 'عایل' کا ترجمہ غریب و نادار وفقیر کرکے صحیح ترجمانی کلام اللہ کی نہیں کی۔ خاکسار راقم نے اس سے قبل بھی بحث کی ہے، اگر چہ وہ مختصر ہی رہی کہ حضرت محمد ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ نے لفظ 'عایل' استعمال کیا ہے، فقیر ومسکین کے الفاظ نہیں۔ قرآن مجید میں فقیر/ فقراء اور مسکین/ مساکین کے الفاظ بھی خوب آئے ہیں، لہٰذا عائل خاص معنیٰ رکھتا ہے اور وہ خاص معنی ہیں: تنگ دست یا ضرورت مند، یعنی ایسا شخص جس کے مالی وسائل اس کی ضروریات پوری کرنے میں کفایت نہ کریں۔ امام سیرت ابن اسحاقؒ اور متعدد دوسرے اہل علم وفن نے یہی معانی لکھے ہیں۔ امام ابن تیمیہؒ کے مطابق قرآن مجید میں مترادفات نہیں ہیں کہ ان کے معانی کی متعدد پیچ دار تہیں ہوتی ہیں، لہٰذا 'عایل' فقیر ومسکین کی جگہ نہیں لے سکتا اور نہ ان کے معانی ومفاہیم کا حامل ہوسکتا ہے۔ ۲؎

پھر ان حضرات کو یہ حقیقت بھی تسلیم ہے کہ دورِ حاجت مندی کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے رسول اللہ ﷺ کو مال دار/غنی کردیا تھا۔ ان میں سے بعض حضرات تو اس حد تک چلے گئے کہ اس غنائے قرآنی کو اپنے خیال خام کے تحت غنائے نفس کردیا اور

اسے مالی غنا و مال داری و تمول سے آلودہ نہیں ہونے دیا، حالانکہ 'عایل' کے بعد 'غنیٰ' کا ارتقائے مالی اسے کسی طور غنائے نفس نہیں بناتا، ورنہ 'عایل' کے معنیٰ نفس کی مفلوک الحالی کے ٹھہریں گے۔ ان جیسوں کی ایک اور ظالمانہ تعبیر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی غنا اور مال داری آپ ؐ کی شخصی اور ذاتی نہ تھی، بلکہ کسی غیر کی عطا و بخشش تھی۔ ان میں متعدد اردو مترجمین و شارحینِ قرآن مجید و مفسرین کے علاوہ بیش تر اردو سیرت نگار شامل ہیں۔

غنائے نبوی عطیۂ زوجہ کا خیال

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ کی شرح و تعبیر میں بعض سیرت نگاروں نے یہ خیال خام ظاہر کیا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی مال داری اور غنا ام المومنین حضرت خدیجہ ؓ کی وجہ سے ہوئی تھی اور وہ بھی ان سے شادی کے بعد ان کی دولت سے۔ اس خیالِ فاسد کی تردید بعض اہل علم نے کی ہے، جیسا کہ مولانا مودودی نے سورہ ضحیٰ کی تفسیر میں کیا ہے، لیکن اس کے ساتھ ان کے ذہن میں رسول اللہ ﷺ کی مفلسی کا خیال بسا ہوا ہے: ''حضرت خدیجہ ؓ سے شادی کے بعد حضور ﷺ کی مفلسی کا دور ختم ہو گیا۔۔۔ مگر جب ان کی تجارت آپ ؐ جیسے امین اور فرزانہ شخص کے ہاتھ میں آئی ۔۔۔ تو آپ ؐ کی تجارت چمک اٹھی اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پورا ہوا: وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى۔ ۳۲

نبوی غنا و مال داری کے حقائق

حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل مال داری اور خوش حالی بنیادی طور سے آپ کی اپنی تجارت اور کاروبار کا عطیہ و نتیجہ تھی۔ روایاتِ سیرت اور اقدارِ قریش کے مطابق دوسرے جوانانِ قبیلہ کی مانند آپ نے تجارتی کاروبار میں بیس سال یا اس سے کچھ کم عمر میں حصہ لینا شروع کیا۔ مقامی بازاروں اور عرب کی اندرونی تجارت کے مراکز — اسواق عرب — میں تجارت کر کے نام و عزت کمائی اور دولت و خوش حالی کے ساتھ حلقۂ تجار و کاروبار میں بھی مرتبت پائی۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی ؓ کے شریک یا اجیرِ تجارت بننے سے قبل ایک دو بار شامی تجارت میں حصہ لے چکے تھے اور اسی کی شہرت و نیک نامی کے سبب وہ تجارتِ حضرت خدیجہ ؓ کے شریک بنے اور کم از کم دو بار شامی تجارت

کے مراکز بصریٰ وغیرہ تشریف لے گئے۔ ان سے شادی کے وقت آپ ایک خوش حال و صاحب مال نوجوان وفہیم تاجر بن چکے تھے۔ زمانۂ جاہلیت کے آپ کے بعض شرکائے تجارت عبداللہ بن ابی الحمساء، عبداللہ بن سائب/قیس بن سائب مخزومی وغیرہ کے ساتھ تجارتی لین دین اور شراکتِ تجارت میں آپ کے پسندیدہ اخلاق اور تجارتی طہارت کے ذکر صریح کے ساتھ آپ کی مالی خوش حالی کا ذکر بھی مضمر ہے کہ تاجر ہاشمی اسی طرح صاحب مال بنے تھے، جیسے آپ کے ہم عمر یا کم سن اصحاب تجارت اور اعزہ خاندان، جن میں ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ شامل تھے۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاحِ نبوی

اگر چہ حضرت خدیجہؓ سے آپ کے نکاح اور اس کے پیغام کی روایات میں آپ کی مفلسی کے متعدد بیانات حسبِ معمول روایات میں ملتے ہیں، تاہم ان کی تردید بعض واقعات سے ہوتی ہے۔ وہ مختصراً حسب ذیل ہیں:

صحیح روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو مہر کی معیاری مقدار ادا کی۔ البتہ اس مقدار پر روایات کا اختلاف ملتا ہے:

۱– آپؐ نے مہر میں حضرت خدیجہؓ کو بیس اونٹ دیے۔

۲– آپؐ نے مہر میں چار سو دینار دیے۔

۳– آپؐ نے مہر میں پانچ سو درہم ربیس مثقال دیے۔ [۴]

نکاح اور مہر کے اخراجات

سنتِ رسول اللہ ﷺ اور سنتِ انبیائے کرام کے مطابق شادی بیاہ کے مصارف شوہر اٹھاتا تھا۔ ان میں ولیمہ بھی شامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام ازواج مطہرات سے نکاح کے بعد ولیمہ کیا تھا۔ عام حالات میں وہ گوشت روٹی وغیرہ کے کھانے پر مشتمل ہوتا اور برات / بارات میں اعزہ بھی جاتے تھے۔ ازواج کو ضروری سامانِ زیست اور مکان بھی، جسے فقہی اصطلاح میں 'سکنیٰ' کہا جاتا ہے، فراہم کرنا آپؐ کا فرض تھا اور روزانہ کی ضروریات کی کفالت بھی۔ روایات و اخبار ملیں یا نہ

ملیں، یہ اسلامی حکم تھا، جس کی آپؐ ہمیشہ تعمیل کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے وقت طعامِ نکاح/ برات کا ذکر روایاتِ مذکورہ بالا میں موجود ہے اور ولیمہ نبوی کا ذکر مضمر یا ابوطالب کفیلِ نبوی کے حوالے سے ہے۔

خواتینِ خاندان کی تزویج

مکی دورِ حیات میں رسول اکرم ﷺ نے اپنے خاندان کی متعدد خواتین اور زیر کفالت بناتِ عم وغیرہ کی شادیوں اور دوسرے ضروری مصارف کی کفالت بھی کی تھی۔ ان میں آپ کی انا حضرت ام ایمنؓ بھی شامل تھیں اور عم مکرم زبیر بن عبدالمطلب کی دختریں بھی۔ ان کے علاوہ بعض دوسری رشتے دار لڑکیوں کی شادیاں بھی آپؐ نے کی تھیں۔ مکی دور میں یہ سارے اخراجات، ظاہر ہے کہ آپ نے اپنے مال سے کیے تھے۔ اور مال کا ذریعہ خالص تجارت کے منافع تھے۔ مدنی دور میں بھی آپ نے یہ فرائض محبت برابر ادا کیے۔ امام بخاریؒ وغیرہ نے کتاب النکاح میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ۵؎

حضرت علیؓ کی کفالت

روایاتِ سیرت کا قریب قریب اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتی مالی آسودگی اور شفیق و مربی عم مکرم جناب ابوطالب بن عبدالمطلب ہاشمی کی روز افزوں اقتصادی خستگی اور تجارتی کساد بازاری کی وجہ سے آپ نے اپنے ایک مال دار و تاجر عم معظم حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمیؓ کے ساتھ باہم مشاورت و تعاون کے ذریعہ فیصلہ کیا کہ شیخ خاندان کی اعانت و صلہ رحمی اور احسان شناسی کی خاطر ان کے کم از کم دو فرزندوں کی کفالت کی ذمہ داری دونوں چچا بھتیجے مل کر اٹھالیں۔ اس سلسلے میں آپؐ نے محسن و مربی سے بات کی اور انؒ کی مرضی سے حضرت عباسؓ نے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی اور آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کی کفالت و پرورش و پرداخت کی مالی ذمہ داری اپنے کندھوں پر لے لی۔ بعض محققینِ سیرت کے خیال میں حضرت علیؓ بن ابی طالب کی عمر اس وقت چار پانچ برس کی تھی اور حضرت جعفرؓ ان سے دس برس بڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی مالی حیثیت اور تجارتی فارغ البالی کا یہ زمانہ بعثت سے پانچ

چھ سال پہلے کا ہے، یعنی جب آپؐ کی عمر پینتیس (۳۵) سال کے قریب تھی اور جب تعمیر کعبہ کا دوسرا مرحلہ درپیش تھا۔ یہ عم مکرم کی مسلسل کرم نوازی کی احسان شناسی بھی تھی اور احسان کے بدلے احسان کی نبوی خوئے دل نواز بھی اور مالی استطاعت بھی۔۶؎

اہلِ تعلق کی کفالت

کاشانۂ نبوت میں بعثت سے قبل خاندان کے افراد کے علاوہ متعدد دوسرے لوگ بھی نبوی کفالت سے آسودہ حال رہتے تھے۔ آپؐ کے متعدد آزاد کردہ غلام/موالی، جیسے حضرت زیدؓ بن حارثہ کلبی، ان کی اہلیہ حضرت ام ایمنؓ، ان کے سابق یثربی شوہر کے فرزند حضرت ایمنؓ، حضرت زید کلبیؓ کے فرزند حضرت اسامہؓ، حضرت ابورافعؓ اور ان کی اہلیہ سلمیٰؓ اور متعدد دوسرے غلام وموالی، جیسے حضرت ثوبانؓ وغیرہ ان میں شامل تھے۔

متعدد غیر خاندانی اہل تعلق کی بھی کفالت اور دیکھ ریکھ آپؐ کے ذمہ تھی۔ ان میں بہت سے لوگ شامل تھے۔۷؎

رفاہی خدمات وصدقات

مکی دور میں حضرت محمد بن عبداللہ ہاشمی ﷺ کی قبلِ بعثت خدمات کا ذکر ملتا ہے۔ وہ بالعموم آپؐ کی صفاتِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ کے موثر وسحر کار پیرائے میں بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدیؓ خود بھی ایک عظیم صاحبۂ خیرات ومبرات تھیں۔ ان کا بیان ہے کہ آپؐ عزیزوں اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کرتے ہیں، بے سہاروں اور بیکسوں کی مدارات کرتے ہیں، ناداروں اور مفلسوں کو مالی عطایا دیتے ہیں، ان کو اپنی گاڑھی کمائی میں سے عطا کرتے ہیں، مہمانوں اور آنے جانے والوں کی ضیافت کرتے ہیں، سواری کے طالبوں کو سواری فراہم کرتے ہیں اور ہر طرح کے نیک کاموں میں اعانت کرتے ہیں۔ یہ صرف چند اصنافِ خیرات ہیں، جن میں سے موخر الذکر جامع ترین ہے۔۸؎

قدیم سیرت نگاروں اور محدثین کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ قبلِ بعثت طواف کرنے سے قبل اور بعد میں بھی مساکین وفقراء کو کھانا کھلاتے، یا زادِ زیست عطا کرتے تھے، بالخصوص غار حرا میں اپنے جوار و اعتکاف کے زمانے میں۔ یہ سلسلۂ خیرات و احسانات ایک سنت متواترہ تھی۔ تحنّث ؍تحنّف کی دینی اور روحانی حیثیت پر کافی بحث کی گئی ہے، مگر ان کے مختلف کاموں اور عبادتوں میں مالی خیرات اور صدقات کا اظہار ذرا کم ملتا ہے۔ اس پر مزید بحث آگے آتی ہے۔

بعثت سے قبل اور بعد میں رسول اللہ ﷺ نے متعدد غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کیا تھا۔ اس کے علاوہ حضرات زیدؓ بن حارثہ کلبی، ام ایمنؓ، صالح شقرانؓ، ابورافعؓ جیسے متعدد غلاموں کو ترکہ یا تحفہ میں پایا تھا، مگر ان کو بھی آزاد کر دیا تھا۔ ان تمام حنیفی اقدامات کا ذکر بھی آپؐ کے دونوں ادوار کے واقعات کے ضمن میں برابر آتا ہے اور ان سب کے مالی مضمرات تھے۔ آپ نے اپنی گرہ سے مال خیرات کیا تھا، یا اپنے مال وجنس کو تبرعاً راہِ خدا میں خرچ کر دیا تھا۔[۹]

دین حنیفی کے مالی صدقات

قریشِ مکہ بالخصوص اور عام جاہلی عرب علی الاطلاق دین حنیفی کے متعدد احکام پر عمل کرتے تھے۔ ان میں بدنی عبادات کے علاوہ مالی عبادات ومبرات شامل تھیں، جن کو وہ کارِ ثواب جان کر ادا کرتے تھے۔ قریشی اور عرب فیاضی وسخاوت نے اصلاً اس دین حنیفی کے مؤثرات کی وجہ سے فروغ پایا تھا۔ ان میں مالی معاملات و حسنات بنیادی طور سے بھی کافی اہم تھے:

صلہ رحمی: عزیزوں، رشتہ داروں اور خاندان وقبیلہ والوں سے عام حسن سلوک کے ساتھ مالی اعانت وامداد کی سنت موکدہ، بہ قول شاہ ولی اللہؒ، ہمیشہ جاری رہی۔ رسول اللہ ﷺ بعثت سے قبل اور بعد، دونوں زمانوں میں بکری ذبح کرتے تو پارچے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں، بہنوں اور دوسرے عزیزوں کو بھجواتے۔

مہمان نوازی: عربوں کی عظیم ترین صفت اور مالی خدمت مہمان نوازی تھی۔ اس میں بسا اوقات وہ انتہا کر دیتے تھے۔ جاہلی اور اسلامی دونوں ادوار میں عرب اپنے دشمنوں اور قاتلوں تک کی مثالی مہمان نوازی کرتے تھے۔ اپنے گھروں میں آنے والوں کے علاوہ وہ شہر میں وارد ہونے والوں میں سے کسی نہ کسی کو بلکہ متعدد کو گھر لا کر کھانا کھلاتے تھے۔

اطعام: اطعام مساکین و فقراء کو دینی حیثیت حاصل تھی۔ چنانچہ عرب بالعموم غریبوں کو کھانا کھلاتے۔ اس کے علاوہ وہ عام طور سے سب لوگوں کو کھانا کھلانے کو ایک وصف اور اپنی قومی صفت سمجھتے تھے۔ قریش مکہ کے تمام شیوخ و سادات اور مال دار و متمول حضرات آنے جانے والے اور دیسی بدیسی کو مستقل کھانا کھلانے اور پانی پلانے کے اہتمامات و انتظامات کرتے۔ ان کو اجتماعی دعوتیں بھی کہا جا سکتا ہے۔ عبداللہ بن جدعان تیمی جیسے اکابر قریش کی عظیم الشان دیگ تھی، جس میں کھانا پکا کر تقسیم کیا جاتا تھا۔ غیر معمولی حالات، قحط سالی وغیرہ اور سامانِ رسد کی عدم فراہمی کی صورت میں وہ پورے مکہ کے لوگوں کے لیے کھانا فراہم کرنے کی سبیل کرتے تھے۔ نبی ﷺ کے جد امجد ہاشم نے اسی میں نام کمایا تھا۔

اِعتاق: غلاموں اور کنیزوں کو آزاد کرنے کی روایت 'اعتاق' کہلاتی تھی اور وہ عہد جاہلی اور عہد اسلامی میں بھی عربوں کی ایک سنت موکدہ تھی، جو کارِ ثواب سمجھی جاتی۔ صرف ایک قریشی مخیر حکیم بن حزام اسدیؓ نے اپنے دور جاہلی اور عہد اسلامی میں دو سو یا اس سے زیادہ غلاموں کو آزاد کیا تھا۔ ایسے کئی مخیر سردار اور بھی تھے۔ ۱۰؎

زکوٰۃ وصدقات کی حنیفی سنت

دین حنیفی کے مالی حسنات و مبرات کو اصلاً زکوٰۃ و صدقات ہی سمجھا جاتا تھا۔ اسلامی کتب و مآخذ حدیث و فقہ میں اور قرآن مجید کی آیات مبارکہ میں بھی وہ صدقات گردانے گئے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ کی ایک خاص فصل میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جاہلی قریش و عرب میں زکوٰۃ و صدقات کی روایت ایک سماجی

اور دینی سنتِ موکدہ تھی، جس سے صرف نظر یا بے اعتنائی اور عدم ادائیگی قابل نفرت سمجھی جاتی تھی اور اس کے مرتکب کو خطا کار اور سماجی طور سے ذلیل سمجھا جاتا تھا کہ یہ بخل وحرص کی ایک جہت تھی اور بخل مبغوض تھا۔۱۱؎

حضرت حکیم بن حزام اسدیؓ کے حالتِ شرک میں اعتاق وغیرہ کے حسنات کو صدقہ ہی قرار دیا گیا ہے، جو زکوٰۃ کا مترادف ہے، جیسا کہ بخاری کی کتاب الزکوٰۃ، باب من تصدّق فی الشرک ثم اسلم، حدیث: ۱۴۳۶، اور دیگر اطرافِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

دینی تسلسل وتواترِ زکوٰۃ

قرآن مجید کی متعدد آیاتِ کریمہ میں تمام سابق شریعتوں میں زکوٰۃ کو ایک مالی عبادت کے طور پر شرعی وقانونی فرض بتایا گیا ہے۔ ایک جدید مفکر وسیرت نگار و مفسر قرآن نے اسی بنا پر وضاحت سے کہا ہے کہ تمام انبیاء کرام کے دین میں بنیادی عقائد کے ساتھ چاروں ارکانِ اسلام ہمیشہ لازم ونافذ رہے۔ قریش وعرب نے دین حنیفی کے بقایا میں دوسرے ارکان کے ساتھ زکوٰۃ وصدقات بھی پائے اور اس پر عامل رہے۔ حضرت محمد ﷺ قریش مکہ کے جوانوں کے سرتاج وسرخیل تھے۔ آپ بعثت سے قبل زکوٰۃ وصدقات ادا کرنے کے خوگر رہے، جیسے ان کے دوسرے مخیر لوگ تھے اور بہ قول امامان سیرت وحدیث وقرآن: شاطبی، ابن کثیر، شاہ ولی اللہ وغیرہ آپ نے زکوٰۃ ادا کی۔ صرف اس کے مقادیر یا نصاب مدنی دور میں فرض یا متعین کیے گیے۔ فرضیتِ زکوٰۃ ایک کلی حقیقت ہے۔۱۲؎

مکی عہد میں زکوٰۃ وصدقات کا حکم

دین اسلام کی فطرتِ تواتر اور طبیعتِ تسلسل کا اظہار متعدد احادیث میں ہوا ہے ۔امام بخاری کی روایت کے مطابق حضرت ابوسفیانؓ نے دربارِ ہرقل میں رسول اکرم ﷺ کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ ہمیں نماز وزکوٰۃ اور صلہ وعفاف (پاکیزگی) کا حکم دیتے ہیں”۔۔۔ یأمرنا بالصلوٰۃ والزکوٰۃ والصلۃ والعفاف۔۔۔“۔ امام موصوف

نے اس کو مختلف اسناد سے متعدد کتب و ابواب میں بیان کیا ہے۔ حدیثِ ہرقل کے نام سے مشہور اس روایت میں اور اس کی شرح میں وضاحت ملتی ہے کہ راوی گرامی نے اپنے مکی مشاہدات و تجربات کی بنا پر یہ بیان دیا تھا، کیوں کہ ان کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے قبل تک نہیں ہوسکی تھی۔ دربارِ نجاشی میں حضرت جعفر بن ابی طالبؓ نے بھی یہی بیان دیا تھا، جیسا کہ اماماں سیرت کا بیان ہے۔ ۱۳؎

مدنی عہد میں، جب ریاست کو استحکام و استقلال نصیب ہوا، اسی بنیادی فریضۂ اسلام پر نصاب و مقادیر اور تفصیلات و جزئیات اور ان کے احکام و مسائل کا اضافہ ہوتا رہا اور بابِ زکوٰۃ و صدقات کامل ہوا۔ قرآن و احادیث کی متفقہ شہادتیں ہیں اور بہت تعداد میں ہیں کہ اس دوران تمام مسلمانوں نے اپنے اپنے صدقات ادا کیے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی سعادت پائی، جو مکی دور سے جاری تھی۔ فرضیتِ زکوٰۃ یا فرضیتِ ارکانِ اسلام کی روایات میں توقیت کا شدید اختلاف ہے۔ اس کے باوجود مکی دور میں فرضیتِ زکوٰۃ وغیرہ کا حکم نبوی اور تعمیل صحابہ بھی ثابت و مسلم ہے۔ فرضیت صدقۃ الفطر بھی اسی کی ایک قسم ہے اور آپؐ نے صحابہ کو اسے ادا کرنے کا حکم دیا اور خود اپنی جانب سے بھی برابر اسے ادا فرمایا۔

ازواجِ مطہرات کی ادائیگی زکوٰۃ

ام المومنین حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدیؓ کی ادائیگی زکوٰۃ کا ذکر نہیں آتا، نہ بعثت سے قبل اور نہ اسلام لانے کے بعد، مگر ان کے صدقات کی روایات بہت ہیں۔ صدقات وخیرات اور حسنات ومبرات کی وسیع ترین اصطلاح خاص زکوٰۃ فرض کی بھی جامع ہے۔ قرآن مجید کی آیات کریمہ میں اس کا واضح ذکر موجود ہے، خاص کر سورۂ توبہ: ۶۰ :**إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ**۔۔۔ الخ میں 'صدقات' سے بالعموم زکوٰۃ مراد لی جاتی ہے، جیسا کہ مفسرین ومحدثین وشارحین اور علماء وفقہاء کا بیان ہے۔ حالاں کہ لفظ و اصطلاح 'صدقات' عام اور جامع ہے اور لفظ 'زکوٰۃ' سے وسیع

ترجیحات رکھتی ہے۔ ۱۴۱ بہر حال یہ حقیقت سب کو تسلیم ہے کہ وہ قریش مکہ کی مال دار ترین خاتون تاجر تھیں۔ ان کا کاروانِ تجارت بسا اوقات مالیت و اسباب میں متحدہ قبیلۂ قریش کے کاروانوں سے زیادہ بڑا ہوتا تھا۔ ان کا کاروبار عہد جاہلی میں تو وسیع ترین تھا، نکاح نبوی کے بعد اس نے مزید ترقی کی تھی۔

ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات (سنہ ۱۰ بعثت) کے بعد ان کے مال اور کاروبارِ تجارت کا کیا ہوا؟ خاص طور سے ان کی نقد اور جنس پر مبنی دولت کا؟ اس کا جواب روایتی سیرت نگاروں نے محض قیاس، بلکہ ظن وتخمین پر یہ دیا ہے کہ وہ سب کا سب اسلام کی خدمت اور رسول اکرم ﷺ کی محبت میں خرچ ہو چکا تھا۔ یہ توجیہ وتعلیلِ محض کا معاملہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذاتی ضروریات کے لیے ان کے مال سے کبھی استفادہ نہیں کیا کہ آپ خود مال دار اور غیرت مند تھے۔ لہٰذا منطقی اور صحیح جواب یہی لگتا ہے کہ وہ مال اور کاروبار ترکہ میں رسول اللہ ﷺ اور ان کی اولاد کے حصہ میں آیا تھا۔ اس مال پر زکوٰۃ ہمیشہ ادا کی جاتی رہی تھی، خواہ وہ عام صدقات ومبرات کے حوالے سے رہی ہو۔

ازواج مطہرات پر زکوٰۃ کی فرضیت وحکم الٰہی کا ایک مدنی اعلان سورۂ احزاب : ۳۳ میں ہے: ''۔۔۔ وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَآتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً''۔ اس آیت کریمہ میں واضح طور سے چند احکام دیے گیے ہیں، جن میں نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا اور اللہ و رسول کی اطاعت کرنا شامل ہے۔ ان سے اور نظمِ قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور بلا شبہ تمام ازواج مطہرات نے اپنے اپنے اصول پر زکوٰۃ ادا کی تھی، خواہ وہ ان کے نقد وجنس کا مال رہا ہو، خواہ سونے چاندی اور ان کے زیورات کا رہا ہو، یا ان کی جائیدادوں پر ان کی پیداواروں سے حاصل شدہ دولت کا رہا ہو۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ بیش تر ازواج مطہرات اپنے خاندانی اموال اور باپ دادا کی جائیدادوں پر مشتمل حصوں کی وارث بنی تھیں۔ ان میں سے حضرت ام سلمہؓ،

حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت زینبؓ بنت جحش وغیرہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے ’’اموالِ طائف ومکہ سے جنس میں مال آتا تھا‘‘۔

مفسرین وشارحین کرام نے بالعموم اس آیت کریمہ کی تفسیر وتوضیح کے ضمن میں نماز وزکوٰۃ سے صحیح بحث نہیں کی۔ حافظ ابن کثیرؒ نے اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کو خاص عباداتِ الٰہی اور مخلوقات کے ساتھ احسان قرار دے کر بات ختم کردی اور سارا زور کلام ’اہل البیت‘ پر صرف کردیا۔ ان کی پیروی میں جدید مفسرین وشارحین نے بھی یہی کیا ہے۔ مولانا مودودی کا حاشیہ: ۵۰ وغیرہ صرف اہل البیت کی مراد وغیر مراد کے لیے وقف ہوگیا ہے۔ نظم قرآن کے ماہر شارحین نے نماز وزکوٰۃ اور اطاعت رسول کے جامع بیان کا نظریہ اپنایا ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اپنے فقہی ذہن کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنے کے حکم کو قوسین میں نصاب کی ملکیت سے مشروط کردیا ہے: ’’اگر نصاب کی مالک ہو‘‘، تاکہ عدم ملکیت ثابت کرکے ادائے زکوٰۃ کی نفی کردی جائے۔ اس طرح تو جاہلیتِ اولیٰ کی زیب وزینت، گھروں میں ٹکے رہنے کی ہدایت، نماز کی ادائیگی کو بھی مختلف شروط سے مشروط کیا جاسکتا ہے۔ سب سے بڑی شرط استطاعت کی ہوسکتی ہے۔ قرآنی آیت/آیات کریمہ کا نظام بلاغت وحکم صاف بتارہا ہے کہ وہ ان کی استطاعت جان کر ہی ان کو مذکورہ بالا اوامر ونواہی کا پابند بنارہا ہے۔ اس کی تائید میں ازواج طاہرات کی مالی استطاعت کا مزید ذکر موالی/مولاۃ کی خریداری اور ان کی ولاء وپرورش اور بعد میں آزادی کے حوالے سے آتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے حضرت بریرہؓ کو خریدا تھا۔ ۱۵ے

مکی حکم قربانی: آغاز رسالت ہی میں فرزند نبوی کے انتقال پر کفار ودشمنان قریش میں سے کسی نے آپ کی نسل کے انقطاع کا طنز کیا تو رب العزت نے سورۂ کوثر کے نزول کے ساتھ آپ کو تسلی دی اور طعن زن کی ابتری کی پیش گوئی کی اور آپ کو شکرانہ میں اپنے پروردگار کے لیے نماز پڑھنے اور قربانی کرنے کا حکم دیا۔ یہ بدنی اور مالی عبادات تھیں، جو مکی دور سے جاری رہیں۔ آپؐ نے مکی حج کے دوران اور دوسرے مواقع پر اونٹ قربان کیے۔ مفسرین کرام نے اور سیرت نگاروں میں سے بعض باخبروں نے

اس کو صرف مدنی دور کی عیدالاضحیٰ کی قربانی سے جوڑ دیا اور مکی قربانی کا عمل نہیں لکھا۔

عیدالاضحیٰ کی قربانی: مدنی دور کے آغاز میں آپ نے عیدالاضحیٰ کی قربانی اپنی طرف سے کی اور اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے بھی ہر سال قربانی کی۔ ان برسوں میں قربانی کے جانوروں کی تعداد کافی بیان کی جاتی ہے۔ قدیم مآخذِ حدیث وسیرت کے علاوہ جدید سیرت نگاروں میں روایت پرستوں نے بھی آپ کی قربانی کا ذکر کیا ہے۔ ادریس کاندھلویؒ کا بیان ہے کہ غزوۃ السویق (ذوالحجہ ۲ھ) کو واپسی پر آپ نے دسویں تاریخ کو دو مینڈھے قربان کیے۔ اسی طرح بعد میں حجۃ الوداع تک آپؐ نے عیدالاضحیٰ کی قربانی کا سلسلہ جاری رکھا اور ازواج کی طرف سے بھی قربانی کی، یا انھوں نے خود اپنے مال سے قربانی کی۔ ابن اسحاق، بخاری اور دوسری کتب حدیث وسیرت میں کتاب الاضاحی میں عجیب وغریب روایات ملتی ہیں، جو خاصی متعارض ومتصادم ہیں۔ مکی دور کی سورۂ 'کوثر' میں کوثر کی بحث تو خوب ملتی ہے، لیکن قربانی سے تعرض قطعی غیر عالمانہ ہے۔ صرف شاہ عبدالقادر دہلویؒ نے کسی قدر صحیح ترجمانی کی ہے کہ "آپ پر قربانی ضرور تھی"۔ باقی اصحابِ فکر ونظر نے تاویلات غریبہ ہی کی ہیں۔ ۱۷ے

حجۃ الوداع کی قربانی کی مالیت

سیرت ابن اسحاق، صحیح بخاری اور دیگر تمام مصادرِ اصلیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے حجۃ الوداع میں تریسٹھ (۶۳) اونٹ ذبح کیے تھے۔ حافظ ابن حجرؒ نے مختلف روایات میں تطبیق دی ہے۔ حجۃ الوداع کی قربانی پر عملِ نبوی سے آپ کی مالی استطاعت اور فرمان رب کی تعمیل ثابت ہوتی ہے۔ ۱۸ے

اولادِ نبوی کے عقیقے

ابن سعد کے مطابق مکی دور حضرت سلمیٰ مولاۃ حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب نے حضرت خدیجہؓ کی تمام اولاد نبوی کے عقیقے میں لڑکوں کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کے لیے ایک بکری کا عقیقہ کیا اور مدنی دور میں حضرت ابراہیمؓ فرزند نبوی کا عقیقہ آپؐ نے خود کیا تھا اور ان تمام عقیقوں میں منڈن کا صدقہ چاندی میں ادا کیا اور اپنے دونوں نواسوں، کئی

نواسوں، نواسیوں کے عقیقے اسی طرح کیے کہ ان میں قربانی کی اور صدقات ادا کیے ۔۱۹؎

اموالِ فے

مدنی دور ارتقاء و استحکام میں رسول اکرم ﷺ کی ذاتی دولت، تجارت اور کاروبار کا ذکر نہیں آتا، لیکن متعدد واقعات اور شواہد آپ کی مال داری اور اس کے ذرائع کا ذکر کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک 'فے' ہے، یعنی وہ مال نقد و جنس، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو فوجی کارروائی یا مسلم فوج کی فتح و غلبہ کے بغیر عطا فرمایا تھا، ان میں یہودی قبیلوں (بنوقینقاع اور بنوالنضیر وغیرہ) کے اموال (جائدادیں) شامل تھیں۔ اسے بالعموم اسلامی ریاست اور اس کے سربراہ اعلیٰ کی ملکیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہ اپنی اطلاقی حیثیت سے صحیح تر بھی ہے، لیکن وہ آپ کی حیاتِ بابرکات میں خالص آپ کی نجی ملکیت تھی اور آپ جیسے چاہتے تھے اسے خرچ کرتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ اسے اپنی ذات اقدس و اہل بیت سے زیادہ عام مسلمانوں اور ضرورت مندوں پر خرچ کرتے تھے۔ سیرت نگاروں میں ابن اسحاق/ ابن ہشام، واقدی، ابن سعد وغیرہ کے علاوہ مفسرین و محدثین کرام نے اموال بنی النضیر وغیرہ کو 'فے' میں شمار کیا ہے۔۲۰؎

اموالِ حضرت

ایک مخیر یہودی تاجر حضرت مخیریقؓ نے اسلام قبول کرنے کے بعد غزوۂ احد کے زمانے میں اپنا سارا مال رسول اللہ ﷺ کو ہبہ کر دیا تھا۔ وہ باغات و جائیداد پر مشتمل تھا اور خاصا پیداواری مال تھا۔ اس سے مختلف فصلوں پر خاصی دولت حاصل ہوتی تھی۔ وہ ہبہ ہونے کی وجہ سے آپؐ کی نجی ملکیت تھی اور اس پر فے کا اطلاق بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اموالِ حضرت مخیریقؓ کی قدر و قیمت نہیں آنکی جاسکی کہ اس کی مالی جزئیات دست یاب نہیں، لیکن یہ طے شدہ امر ہے کہ وہ مال و جائیداد اور اس کی پیداوار آپ کو صاحبِ مال اور صاحبِ نصاب دونوں بنانے کی شرائط پوری کرتی تھیں۔ ابن اسحاق و بلاذری میں یکساں روایات ہیں، لیکن موخر الذکر نے زیادہ مفصل دی ہیں کہ آپ نے ان کے مال کو

صدقہ بنایا تھا: (**فجعلها رسول الله صدقة۔۔**۔'') اصلاًوہ واقدی کی روایت ہے، جس کے مطابق وہ سات باغات (**حوائط**) تھے، جن کے انھوں نے نام بھی گنائے ہیں۔۲۱؎

عم مکرم کی زکوٰۃ کی ادائیگی

صحیحین کی احادیث اور شارحین کی تشریحات سے عہد مدنی میں ادائیگی زکوٰۃ کا ایک خاصے اہم، منفرد اور متعدد جہات کا حامل واقعہ کا علم ہوتا ہے۔ وہ ایک قسم کا نمائندہ واقعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ کو مدینہ منورہ کے اکابر و شیوخ سے زکوٰۃ وصول کرنے پر متعین فرمایا۔ تعمیل ارشاد میں انھوں نے سب سے زکوٰۃ وصول کر لی اور خدمتِ نبویؐ میں پیش کی۔ اس کے ساتھ یہ خبر بھی دی کہ تین اکابر نے زکوٰۃ نہیں ادا کی۔ وہ تھے: حضرات ابن جمیلؓ، خالد بن ولید مخزومیؓ اور عباسؓ بن عبدالمطلب ہاشمیؓ۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں بزرگوں کی عدم ادائیگی کی وجوہ اور اسباب بیان کر کے فیصلہ دیا: حضرت ابن جمیلؓ نے ناشکری کی اور زکوٰۃ ادا نہیں کی، حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فقیر سے امیر کر دیا تھا۔ حضرت خالد سیف اللہؓ نے اپنے تمام آلاتِ حرب اور سامان راہ الٰہی میں دے دیے، لہٰذا وہ مکلف نہیں۔ اپنے چچا حضرت عباسؓ کے بارے میں فرمایا کہ ''ان کی زکوٰۃ میرے ذمہ ہے، میں ان کی طرف سے ان کی زکوٰۃ ادا کروں گا، کیوں کہ چچا باپ کی مانند ہوتا ہے''۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان احادیث پر کافی عمدہ بحث کی ہے۔ اس واقعہ کا اہم ترین نکتہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کے مال کے زکوٰۃ ادا کی تھی۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ نے اپنی زکوٰۃ ادا نہ کی ہو؟۲۲؎

حضرت عمرؓ کا تقرر فرض زکوٰۃ کی تحصیل پر ہوا تھا، نفل صدقات (**صدقة التطوع**) پر نہیں کہ مؤخر الذکر کے لیے سعاۃ/ ساعی یعنی محصلین و عمال نہیں بھیجے جاتے تھے۔ اس شرح کے بعد حافظ ابن حجرؒ نے حدیثِ مسلم سے اضافے کیے ہیں: (۱) رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ کی جانب سے خود زکوٰۃ ادا کرنے کا التزام کیا۔ (۲) کیوں کہ 'انّ **العم صنو الأب**' (۳) ضعیف روایات کے ذریعہ یہ توجیہ و تاویل بھی کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ان کے مال کی دو سال کی زکوٰۃ وصول کر لی تھی اور حضرت عمرؓ کے سالِ تقرر وہ آپ کے پاس قرض تھی۔ حافظ موصوف نے ان تمام ضعیف

روایات اور معطل توجیہات کو مسترد کر دیا ہے اور دوسری روایات کو بھی۔

خلاصۂ بحث

رسول اللہ ﷺ کی ذاتی مالی حیثیت، تجارتی مرفہ الحالی اور غنائے مالی کی وجہ سے اور مختلف واقعاتِ سیرت و تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ مکی دور میں بھی اور اس کے بعد مدنی عہد میں بھی آپ برابر زکوٰۃ و صدقات ادا کرتے تھے۔ دوسروں کے علاوہ ازواج مطہرات کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی صرف شخصی مال سے کرتے تھے، بیت المال سے نہیں۔ ان تمام واقعات، شواہد و براہین اور حقائق کی بنا پر واضح طور سے کہا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زکوٰۃ ادا کی، کیوں کہ آپ کا ایک خاص وصف یہ بھی تھا کہ احکام و فرائض کی تعمیل میں آپ سب سے پہلے اور فوری طور سے اقدام کرتے تھے۔

قبل بعثت کے زمانے میں آپ نے عام صدقات ادا کیے۔ مکی دور نبوت میں صدقات نافلہ و متقاربہ کے علاوہ آپ خاص اصطلاحی وتشریعی زکوٰۃ ادا کرتے رہے۔ اس دور میں زکوٰۃ بلامقادیر وشرائط (نصاب وحولان حول) کے ادا کی جاتی رہی۔ مدنی دور سے مقادیر کی وضاحت وشرائط کے بعد ان کی پاس داری کی گئی اور عام صدقات مالی جاری رہے۔ رسول اکرم ﷺ اپنی ذاتی حیثیت اور دینی وتشریعی استطاعت کے سبب برابر زکوٰۃ ادا کرتے رہے۔ عام واقعاتی شواہد اور تصدیقی قرائن کے علاوہ خاص 'اصناف زکوٰۃ' کی نبوی ادائیگی کی بہت سی روایات ہیں اور صرف روایات ہی نہیں، ٹھوس اعمال اور مستند واقعاتِ ایتاء الزکوٰۃ ہیں۔ اطعام، اعتاق، خیرات، صدقات، قربانی عام، قربانی / ذبیحۂ حج، قربانی عقیقہ وغیرہ۔ نکاح و ولیمہ کی سنن طعام وقربانی، بے بسوں کی مالی غم خواری، ایتام و بیوگان کی معاشی دیکھ بھال، اعزہ و اقارب کی خبر گیری اور مالی اعانت، ازواج مطہرات کے نان نفقہ، اعمام و اقارب پر واجب زکوٰۃ کی ادائیگی اور حضرت خدیجہؓ کی روایت کے مطابق تمام معاملات و مشکلات (**نوائب الحق**) میں رسول اللہ ﷺ کا مال خرچ کرنا دوسرے تمام صحابۂ کرام سے کہیں زیادہ تھا۔ آپؐ نے تمام ارکان اسلام کی بہترین اور مثالی پاس داری کی اور نماز، روزہ، حج وغیرہ کے ساتھ زندگی بھر زکوٰۃ وصدقات ادا فرمائے۔ اس مالی

استطاعتِ نبوی کا سب سے بڑا شاہد خود حجۃ الوداع کی ادائیگی ہے۔ مکی دور کے تین یا سالانہ حج ادا کرنے کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ان میں زیادہ 'مالی تکلیف' نہ تھی، مگر مدینہ منورہ سے حج کرنے کے معاملہ میں مالی استطاعت کی شرط بھی تھی۔ غیر استطاعت کی صورت میں تو آپ پر حج فرض ہی نہ تھا اور اگر آپ نے وہ نفل حج ادا کیا تھا تو اور بھی آپ کی استطاعت کو ثابت کرتا ہے۔ حج کے انتظامات اور ازواج مطہرات اور دوسرے زیر کفالت اصحاب کے سفرِ حج وغیرہ پر خاصی بڑی رقم خرچ کی گئی تھی۔ قربانی کے جانوروں (ھدی) کی تعداد اور پھر ان کی یوم النحر میں قربانی اور اس کے انتظامات پر رقم کا صرفہ اس بڑی رقم کا کچھ اندازہ دیتا ہے۔ بہر حال عمر بھر میں ایک فرض حج کی ادائیگی رسول اکرم ﷺ کے سالانہ ادائے زکوٰۃ کی اور بھی شہادت دیتی ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ شبلی/سلیمان، سیرۃ النبی اعظم گڑھ ۱۹۸۶ء ۱/۱۶۹ بحوالہ طبقات ابن سعد، کاندھلوی، سیرۃ المصطفیٰ، دارالکتاب دیوبند غیر مورخہ، ۱/۴۶ بلا حوالہ، غالباً زرقانی، مودودی، سیرت سرور عالم، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۹ء، ۲/۹۵؛ صفی الرحمن مبارک پوری، الرحیق المختوم، اردو، المجلس العلمی علی گڑھ ۱۹۸۸ء، ۸۲ بحوالہ مختصر السیر ۃ از عبداللہ، تلقیح الفہوم، صحیح مسلم ۲/۹۶؛ حکیم محمود احمد ظفر، سیرت خاتم النبیین، تخلیقات لاہور۔ ۲۰۱۰ء، ۱۱۳، بحوالہ طبقات زرقانی؛ سید معین الحق، سیرت محمد رسول اللہ ﷺ، اردو ترجمہ: رفیع الزماں زبیری، فضلی سنز کراچی، ۲۰۱۲ء، ۹۸؛ عبدالرؤف دانا پوری، اصح السیر، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند، غیر مورخہ، ۵، ۶، میں ذکر ترکہ و مالی بدحالی نہیں ہے۔

۲۔ مختصر بحث کے لیے ملاحظہ کیجیے مقالۂ خاک سار 'مولانا مودودی کی سیرت نگاری، ارمغان مودودی، لاہور۔ ۲۰۰۶ء۔ مآخذ میں ابن اسحاق/ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، حمدی طباعت، بیروت ۲۰۰۶ء؛ سہیلی، الروض الانف بیروت ۲۰۰۹ء، ۱/-؟ ابن تیمیہ، مقدمۃ التفسیر، تھانوی، بیان القرآن، نادار/ مال دار کا ترجمہ ہے: "حضرت خدیجہ نے تمام مال حاضر کر دیا" یعنی مال دار بنا دیا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی، ترجمہ فتح الرحمن میں بالترتیب "تنگ دست اور تونگر" کیا ہے، جب کہ ان کے فرزند عبدالقادر اور ڈپٹی نذیر احمد نے 'عایل' کا ترجمہ مفلس کیا ہے۔ یہ ترجمہ دوسرے مفسرین و شارحین کے یہاں بھی موجود ہے۔ امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، ۹/۴۱۱: محتاج و غنی کا ترجمہ، قابل ذکر ترکہ پدری نہ چھوڑا، غنی القلب اصل اور غنائے مال صرف ظاہر۔

۳۔ سیرت سرور عالم، ۲/۱۱۷ و مابعد؛ تفہیم القرآن، ۶/۳۷۴ میں مودودی نے اور تدبر قرآن

میں اصلاحی نے مفلسی/ افلاس کے مال تجارت خدیجہؓ / دولتِ زوجہ سے مال داری نبوی کا ذکر کیا ہے، اگرچہ مودودی نے اسے بیوی کی دولت پر عدم انحصار سے تعبیر کیا ہے اور قابلیت ومحنت سے مال دار بتایا ہے؛حکیم محمود احمد ظفر، قاضی محمد سلمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین، اعتقاد پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی، ۱۹۸۰ء، ۱/ ۴۶: ''تجارت شروع کرنے سے قبل گھر کا روپیہ نہ تھا'' جو مالِ خدیجہؓ سے تجارت کرنے سے پورا ہوا۔ گویا مفلوک الحال تھے،لیکن شادی کے بعد مال خدیجہؓ کے بارے میں آپ کی امداد کے لیے قومی اور دینی امداد اور مصارف میں خرچ مراد لیا ہے۔

۴۔ مودودی، سیرت سرورِ عالم، ۲/ ۱۱۴ حاشیہ: ۲، بہ حوالہ ابن سعد، کاندھلوی، ۱/ ۱۱۲ بہ حوالہ سیرۃ ابن ہشام اور حافظ ابوبشر دولابی: ''بیس اونٹ مہر مقرر ہوا۔۔۔ مہر کی مقدار ساڑھے بارہ اوقیہ تھی۔ ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔ لہٰذا کل مہر پانچ سو درہم شرعی ہوا،'' بہ حوالہ زرقانی ۱/ ۲۰۲: شرعی مہر کا خیال بہت دل چسپ ہے۔ اس بیان میں آپ کے ادائے مہر کا ذکر نہیں ہے اور نہ دوسری روایات کا؛شبلی/ سلیمان ۱/ ۱۸۸ ''۔۔۔ اور پانسو طلائی درہم مہر قرار پایا'' بلاحوالہ مآخذ: طلائی درہم کا معاملہ باعث الجھن ہے۔ طلائی سکہ دینار تھا اور نقرئی سکہ درہم۔ پانچ سو طلائی درہم کی قیمت/ قدر تو پانچ سو نقرئی درہم سے کم از کم دس گنا زیادہ ٹھہرے گی کہ عام طور سے درہم و دینار کی شرح تبادلہ یہی تھی؛ حکیم محمود احمد ظفر، مذکورہ بالا، ۱۶۲: چار سو مثقال/ پانچ سو درہم کی دو روایات کا حوالہ سہیلی وغیرہ سے دیا ہے۔

۵۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے کتابِ خاک سار ''رسول اکرم ﷺ اور خواتین — ایک سماجی مطالعہ'' دہلی ۲۰۰۶ء۔

۶۔ ابن اسحاق/ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ/سہیلی، الروض الانف، بیروت ۲۰۰۹ء، ۱/ ۴۲۶–۴۳۷۔ جناب ابوطالب کے فرزند کی کفالت نبوی وعباسی عم مکرم کی عام معاشی بدحالی کے سبب تھی، جس سے قوم قریش دو چار تھی۔ مودودی، سیرت سرور عالم: ۲/ ۱۲۰ بہ حوالہ ابن ہشام) کا خیال ہے کہ ''حضرت علیؓ کی عمر اس وقت ۴–۵ برس سے زیادہ نہ تھی''؛ سید معین الحق، مذکورہ بالا، ۱۴۰۔

۷۔ تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ کیجیے کتابِ خاک سار 'عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت' کا دوسرا باب، جوخاندان رسالت کے افراد سے بحث کرتا ہے، نیز اولین مسلمانوں کے تذکرے میں تمام مذکورہ بالا سیرت نگار، جیسے سید معین الحق، ۱۴۱؛ مبارک پوری، ۱۴۶۔

۸۔ بخاری، حدیث: ۳: / فتح الباری، ۱/ ۲۹–۳۳؛ ابن ہشام/سہیلی، ۲/ ۳۸۴ ومابعد اور دوسرے ابواب۔

۹۔ ملاحظہ کیجیے کتاب خاک سار 'مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء'' باب زکوٰۃ وصدقات اور

عمرہ و حج۔

۱۰۔ بخاری/ فتح الباری، ۳/ ۳۸۰-۳۸۱؛ ۴/ ۵۱۷، ۲۱۱ وغیرہ؛ ۱۰/ ۵۱۹؛ نیز مقالہ خاک سار: عہد جاہلی —مکی میں تحنث کی اسلامی روایت، معارف اعظم گڑھ جولائی، دسمبر ۲۰۰۷ء۔

۱۱۔ شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغہ، مکتبہ سلفیہ کراچی/ مبنی بر طباعت مکتبہ رشدیہ دہلی ۱۹۵۱ء ۱/ ۱۲۷۔ ''و کانت فیھم الزکوٰۃ و کان المعمول عندھم، منھا قری الضیف و ابن السبیل و حمل الکل و الصدقۃ علی المساکین و صلۃ الارحام و الاعانۃ علی نوائب الحق و کانوا یمدحون بھا ویعرفون انھا کمال الانسان و سعادتہ...'')

۱۲۔ بحث کے لیے ملاحظہ کیجیے کتاب خاک سار 'مکی عہد نبوی میں اسلامی احکام کا ارتقاء'، مذکورہ بالا، باب زکوٰۃ و صدقات، آیات کریمہ ہیں: الاعراف: ۱۵۶؛ مریم: ۳۱، ۵۵؛ الانبیاء: ۷۳، المومنون: ۴، لقمان: ۴، الروم: ۳۹؛ فصلت: ۷؛ المزمل: ۲۰؛ البینۃ: ۵ وغیرہ۔ مدنی آیات مزید ہیں۔

۱۳۔ بخاری/ فتح الباری، ۳/ ۳۳۰-۳۳۲؛ ۳۳۸ وغیرہ؛ احادیث بخاری میں کسی میں صدقہ کا لفظ ہے اور کسی میں زکوٰۃ کا، دونوں ایک دوسرے کے لیے مستعمل ہوتے ہیں اور جمع کے طور پر لفظ 'صدقات' دونوں کے لیے آتا ہے۔ احادیث بخاری: ۱۴۹۲؛ ۴۵۵۳، ۵۹۸۰ وغیرہ؛ فتح الباری؛ ۳/ ۱۴۶۳ مابعد؛ ۵۰۳ وغیرہ، تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ کیجیے: مکی عہد میں اسلامی احکام کا ارتقا، ۱۱۵-۱۲۰ ومابعد، ابن کثیر، البدایہ، ۳/ ۶۹-۷۰)۔ متعدد قدیم و جدید سیرت نگار فرضیتِ زکوٰۃ کی توقیت کا مسئلہ اٹھاتے ہیں اور اس کے مختلف اوقات بتاتے ہیں۔ ادریس کاندھلوی (۱/ ۳۷۴) نے ابن خزیمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ زکوٰۃِ مال ہجرت سے پہلے فرض ہوئی اور تقریر جعفر کا حوالہ دیا ہے۔

۱۴۔ ابن کثیر، تفسیر آیت کریمہ؛ بخاری/ فتح الباری، کتاب الزکوٰۃ، باب الفرض فی الزکاۃ، ترجمۃ الباب، وقال النبی ﷺ: تصدقن ولو من حلیکن'' فلم یستثن صدقۃ الفرض من غیرھا...الخ ۳/ ۳۹۳؛ مابعد: صحابیات نے کسی عید کے موقع پر خطبۂ نبوی کے بعد اپنے زیورات صدقہ کیے تھے۔ فرض اور نفل کا فرق نہیں کیا تھا۔

۱۵۔ بخاری: ۱۴۹۳ وغیرہ۔ مولاۃ حضرت میمونہ بخاری ۱۴۹۲؛ فتح الباری، ۳/ ۴۴۷، وما بعد)۔ اس طرح متعدد ازواج کے موالی تھے، جو ان کے مال سے خریدے گیے تھے۔ عیدالاضحیٰ میں ہر سال قربانی اور حج میں فرض قربانی کی ادائیگی میں آپ نے اپنی اور اپنی ازواج کی طرف سے قربانی کی تھی۔

۱۶۔ بخاری: ۱۷۰۹؛ فتح الباری، ۳/ ۶۹۵ ومابعد۔

۱۷۔ ادریس کاندھلوی، ۲/ ۱۷۱ بہ حوالہ زرقانی، ۱/ ۴۶۰؛ مگر سورۂ کوثر سے متعلق بحث ہی نہیں کی۔

دوسروں کا حال بھی یہی ہے؛ مودودی، ۱–۲ / نے قرآن کی تفسیر اور کتاب سیرت دونوں میں قربانی کے حکم وعمل پر نام رب سے ذبیحہ کا نکتہ نکالا ہے، جو تمام دوسرے اور مفسرین اور شارحین اور اہل سیر کے ہاں بھی ہے۔ اس کا بودا پن اس سے ظاہر ہے کہ آپ ذبیحہ غیر اللہ کے نام سے کرتے ہی نہ تھے۔ ابن اسحاق نے صرف عاص بن وائل سہمی کے قول کو سببِ نزول بتایا ہے، جب کہ دوسروں کے ہاں متعدد اکابر کے اقوال ہیں۔ سہمی شیخ کا قول بے رحمانہ نہیں۔ بہرحال ان سے آپ کے ایک عملِ عبادت پر خرچ کی واقعیت ملتی ہے۔

۱۸۔ فتح الباری، ۳/۱۰۷؛ حدیث بخاری: ۱۷۱۶ کی شرح میں اس تعداد کے علاوہ سو اونٹ نحر کرنے کا بھی ذکر ہے؛ نیز ملاحظہ کیجیے فتح الباری، ۱۰/۵ ومابعد: کتاب الاضاحی کے ابواب وغیرہ۔

۱۹۔ ابن سعد، ۴/ ۱۳۳–۱۳۵؛ بلاذری، ۱/ ۴۴۹ وغیرہ؛ بخاری، کتاب العقیقۃ/ فتح الباری، ۹/ ۲۶۷–۲۷۰؛ ترمذی، کتاب الاضاحی/ عارضۃ الاحوذی، ۶/ ۳۱۳–۳۱۴؛ مکی احکام کا ارتقاء، ۳۱۹–۳۲۱۔

۲۰۔ سورہ حشر:۶ وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ ۔۔۔ الخ کی تفسیر مختلف کتب تفسیر میں؛ حکیم محمود احمد ظفر، مذکورہ بالا، ۶۹۰–۶۹۱ بہ حوالہ ابن سعد، عیون الاثر، ۲/ ۶۷؛ نیز بخاری، ۲/ ۵۷۴/ ۵۷۵؛ فتح الباری، ۹/ ۲۵۴؛ زادالمعاد، ۲/ ۷۱؛ ابن ہشام، ۲/ ۱۹۰–۱۹۲؛ زرقانی، ۲/ ۸۰–۸۶؛ البدایۃ والنہایۃ، ۴/ ۷۴–۸۰۔

۲۱۔ ابن ہشام/سہیلی، ۳/ ۲۷۵: شارح نے بیان ابن اسحاق: **ان أصبت فمالی لمحمد یصنع فیه ماشاء**'' کی شرح میں کچھ نہیں لکھا؛ بلاذری، انساب الاشراف، بیروت ۲۰۰۸ء ۱–۲/ ۶۳۰ (۶۸۵) ۶۸۵، ۸۰۳، ۱۲۵۴–۱۲۵۵۔

۲۲۔ مسلم، کتاب الزکوۃ، باب فی تقدیم الزکوۃ؛ بخاری، کتاب الزکوۃ، باب قول اللہ تعالیٰ: وفی الرقاب۔ الخ؛ فتح الباری، ۳/ ۴۱۷؛ حدیث: ۱۴۶۸ میں اصل متن وتشریح ہے، جب کہ اس کے قبل ۳/ ۳۹۳ میں حافظ موصوف کی حضرت خالدؓ کے ہتھیاروں پر عمدہ تبصرہ ہے۔ بخاری: ۱۴۶۸ میں فرمان نبوی ہے: ''**ماینقم ابن جمیل الا أنة کان فقیراً، فأغناه الله رسوله و أما خالد فانکم تظلمون خالداً، قداحتبس أدراعه و اعتده فی سبیل الله، و أما العباس بن عبدالمطلب فعم رسول الله ﷺ فهی علیه صدقة و مثلها معها**''، آخر میں ابن اسحاق کی متابع حدیث ہے: ھی علیہ ومثلھا معہا۔